کوہستان سیاہ کے مجاہدین
(تاریخ کا ایک گمشدہ باب)

کیپٹن محمد حامد

۱۸۵۷ء کی جد و جہد آزادی بظاہر ناکام ہو چکی تھی۔ مغلیہ سلطنت کا باب بند ہو چکا تھا۔ دہلی کے تاج و تخت پر جو اس سے پہلے مسلمانوں کو صدیوں تک اپنے اوپر فائز دیکھ چکا تھا، انگریز قابض ہو چکے تھے۔ علماء اور مجاہدین آزادی کے شہید جسم دہلی سے لے کر لکھنؤ تک شاہراہ کے ایک ایک درخت پر سجے ہوئے تھے۔ وہ مسلمان خاندان جو صدیوں سے علم و فضل اور سپاہ گری کے میدانوں میں کتنے ہی نامور افراد پیدا کر چکے تھے اس انقلاب کی زد میں آچکے تھے۔ ہر طرف خوف و ہراس اور مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ دہلی یوں تو کئی بار لٹی تھی لیکن اب کے فرنگیوں کے مظالم کچھ اس طرح کے تھے کہ تہذیب شرم سے منہ چھپا لے۔ انگریز خود اپنے ہم‌وطن سپاہیوں کی چیرہ دستیوں کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ سرحد سے لے کر بنگال تک تمام علاقہ انگریزوں کی عملداری میں آچکا تھا۔ انگریز خوش تھے کہ وہ ایشیا کی ایک بہت بڑی سلطنت کے مالک بن بیٹھے ہیں لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد کے چند خاموش سالوں کی جلو میں کتنے ہی طوفان چھپے ہوئے تھے۔ انگریزی دور کی تاریخ جو کہ انہی کے نامزد کردہ مورخوں نے تحریر کی ہے ان واقعات سے جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں سرحدی علاقے میں پیش آئے بالکل خالی ہے۔ کہیں سرسری ذکر ہے بھی تو اس انداز میں کہ ”سرحد میں یورش ہوئی لیکن فوراً دبا دی گئی“۔ بدقسمتی سے اس دور کی تاریخ کو تفصیل سے بہت کم مورخین نے قلم بند کیا ہے۔ لائبریریوں کی گردآلود الماریوں میں

کچھ کتابیں ضرور موجود ہیں جو اس دور کے انگریز کمانڈروں نے تحریر کی ہیں۔ ان سے ہمیں حقیقت کا یک طرفہ رخ ضرور نظر آتا ہے لیکن ان تمام منتشر معلومات سے جو بہر حال ہمارے دشمنوں ہی کے ہاتھوں ہمیں ملتی ہیں ہمیں مجاہدین آزادی کی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ ۱۸۵۷ء سے صرف ۶ سال بعد امبیلا کی جنگ میں جنرل چیمبر لین جو انگریز افواج کا کمانڈر تھا زخمی ہوگیا تھا اور ایک ہزار کے قریب انگریز سپاہ تہ تیغ کر دی گئی تھی۔ یوں تو امبیلا کی جنگ کے نتائج انگریزوں کے حق میں کسی بدترین شکست سے بھی بڑھ کر تھے لیکن فوجی مورخوں کی چابکدستی کی داد دینا پڑتی ہے جنہوں نے ان تمام واقعات کو فتح کا رنگ دے کر پیش کیا۔ یہ جنگ مردان سے ۵۰ میل کے فاصلے پر مجاہدین کے خلاف لڑی گئی تھی اور آج بھی امبیلا کے درے کے دونوں جانب بلند چوٹیاں اپنے دامن میں آگ اور خون کی کتنی ہی داستانیں چھپائے کھڑی ہیں۔ یہ داستانیں بڑی ولولہ انگیز ہیں۔ ان کا ذکر پھر کسی موقع پر آئے گا۔ اس وقت مجھے کوہستان سیاہ کے ان جانبازوں کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کرنا ہے جنہوں نے انگریزوں کے کئی کالموں کو ناکوں چنے چبوائے۔

۱۸۳۱ء میں سانحہ بالاکوٹ پیش آیا تھا۔ تحریک مجاہدین کے دو عظیم رہنما سید احمد شہیدرح اور شاہ اسمعیل شہیدرح اپنے بیش قیمت مجاہدین کی ایک بڑی تعداد سمیت شہید ہو گئے تھے لیکن بچے کچھے ساتھی دریائے سندھ کو پار کر کے اس علاقے میں چلے گئے تھے جو کوہستان سیاہ کے دامن میں موجود ہے۔ دریائے سندھ کی حیثیت اب ایک مضبوط دفاعی حصار کی سی ہوگئی تھی اور یہ علاقہ خاصا محفوظ تھا۔ یہاں ستھانہ کا مرکز قائم کیا گیا تھا اور یہیں سے بعد میں مجاہدین مختلف جگہوں پر لشکر کشی کرتے رہے۔ ستھانہ کو ہم موجودہ دور کی فوجی اصطلاح میں ایک گیریزن یا چھاؤنی کہہ سکتے ہیں جو کہ بیک وقت مجاہدین کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا اور ایسا کیمپ بھی جہاں

سے مختلف جگہوں پر چھاپے مارے جا سکتے تھے ۔ مجاہدین ایک عرصے تک بہت بڑے پیمانے پر کوئی لشکر سامنے نہیں لاسکتے تھے ۔ ان کے وسائل محدود تھے ۔ تحریک کے رہنماؤں کی شہادت کے بعد جماعت میں کسی حد تک انتشار بھی پیدا ہو چکا تھا ۔ لیکن اس کے باوجود کسی نہ کسی طرح مجاہدین اپنی کوششوں میں مصروف رہے ۔ ان میں شکست خوردہ ذہنیت یا انفعالیت قطعاً پیدا نہیں ہوئی اور بنگال سے لے کر سرحد تک سے روپوں کی تھیلیاں برابر پہنچتی رہیں ۔ بنگال سے مجاہدین منزل بمنزل مرکز پہنچتے رہے ۔ یہاں ان کی فوجی تربیت ہوا کرتی تھی اور وہ کچھ ہی عرصے میں میدان جنگ میں اپنے جوہر دکھانے کے قابل ہو جاتے تھے ۔ بنگال شروع ہی سے اس تحریک کے لئے بھرتی کا علاقہ رہا تھا ۔

اس بھرتی کے بارے میں اس تحریک کے آخری دور سے متعلق ایک صاحب مولانا صبغت‌اللہ صاحب نے مجھے بتایا کہ بنگال میں جن گھرانوں میں نرینہ اولاد نہیں ہوتی تھی وہ منت مان لیا کرتے تھے کہ اولاد نرینہ ہونے پر وہ اسے مجاہدین کے لئے وقف کر دیں گے ۔ اکثر اوقات نرینہ اولاد پیدا ہوتی اور اس لڑکے کو مجاہدین کے لئے وقف کر دیا جاتا تھا ۔ اسے بچپن ہی سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسے بڑا ہوکر سرحد میں فرنگیوں کے خلاف جہاد کرنا ہے ۔ وہ مختلف مدرسوں میں تعلیم حاصل کرتا اور یہی مدرسے بالآخر اسے منزل بمنزل سرحد پہنچانے کے ضامن ہوتے تھے ۔ یہ مدرسے دینی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ تحریک کے ڈاک بنگلوں کی حیثیت بھی رکھتے تھے ۔ گوریلا جنگ کی اصطلاح میں یہ خفیہ پناہ‌گاہیں تھیں جو کہ دشمن کے علاقے میں موجود ہونے کے باوجود اس کی دسترس سے باہر تھیں ۔ انہی ذریعوں سے اشرفیوں کی تھیلیاں اور ہنڈیاں سرحد پہنچتی تھیں ۔ ہنڈیاں ابتدائی دور کے کراس چیک کی حیثیت رکھتی تھیں ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دور کے جدید ترین ذرائع کو استعمال کیا کرتے تھے ۔ ماہ بہ ماہ سال بہ سال تھیلیاں اور ریکروٹ متھانہ

کی فوجی چھاؤنی میں پہنچا کرتے تھے ۔ اگرچہ ۱۸۶۳ء میں اس تحریک کے رہنما مولانا عبداللہ کی امارت میں امبیلا کے مقام پر انگریزوں کے ایک بہت بڑے لشکر سے مڈبھیڑ ہوئی تھی لیکن عام طور پر مجاہدین کا طریق جنگ گوریلا لڑائی ہی کا رہتا تھا ۔ انگریز وقائع نگاروں کے ترتیب کردہ واقعات سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے ۔

انگریزوں نے ہزارہ کا علاقہ اور سرحد کے علاقے سکھوں سے ہتھیا لئے تھے لیکن ان کے بقول اس تمام علاقے میں امن و امان کی صورت حال تسلی بخش نہ تھی ۔ مجاہدین نے انگریزوں کے علاقوں پر پے در پے حملے کرکے ان کا سکھ چین غارت کر رکھا تھا ۔ ایک بار راولپنڈی سے چند میل دور سرحد کی جانب ایک فوجی چوکی پر شبخون مارا گیا اور مجاہدین نے تمام فوجی چوکی کو غارت کر دیا ۔ یہ واقعات اگر اکا دکا ہوتے تو خیر تھی لیکن انگریزوں کو تشویش اس بات سے تھی کہ یہ اکثر پیش آتے رہتے تھے اور ویسے بھی ان کی سرحدوں پر ایک مستقل خطرے کا منڈلاتے رہنا ان کے وقار اور ساکھ کا مسئلہ بن گیا تھا ۔

ستھانہ میں واقع مجاہدین کی گوریلا سرگرمیوں کا نشانہ انگریزوں کے قافلہ ہائے رسد، ہندو تاجر اور ایسے مسلمان بنتے جو انگریزی علاقے میں رہ کر مجاہدین کے خلاف جاسوسی کیا کرتے تھے ۔ یہ مجاہدین انتہائی برق رفتاری سے شبخون مارتے اور راتوں رات واپس اپنے مرکز (Base) پر پہنچ جایا کرتے ۔ ان کے خلاف کوئی کار روائی کرنا انتہائی دشوار تھا کیونکہ کوہستان سیاہ اور اس سے ملحق علاقے جن پر انگریزوں کا کوئی عمل دخل نہیں تھا ایک محفوظ قلعے کی حیثیت رکھتے تھے ۔ یہاں بلند و بالا چوٹیاں، گہرے ندی نالے اور گھنے جنگل انگریزوں کے لئے خاصی مشکلات پیدا کئے ہوئے تھے ۔ ۱۸۶۳ء کی ناکامی کے بعد سے اب تک انگریز اس علاقے میں قدم نہیں رکھ سکے تھے ۔

امبیلا کی جنگ کے اختتام پر مقامی افراد کی حفاظت میں انگریزی فوج کا ایک دستہ ملکا کے قریب چند چھپروں کو آگ لگا کر واپس آگیا تھا اور اس واقعہ کو انہوں نے ان الفاظ میں تحریر کیا تھا ''ہم نے مجاہدین کے مرکز اور ان کی تمام رہائش گاہوں کو مسمار کرکے آگ لگا دی ہے اور انہیں عبرتناک سزا دی ہے،،۔ ملکہ معظمہ کے وائسرائے اور اس کی کونسل کو جو روزنامچے سرحد سے جاتے ان میں یہ تحریر ہوتا تھا کہ مجاہدین کو بالکل ختم کیا جا چکا ہے۔ اور دوسری طرف آئے دن پھر چھاپے پڑتے۔ رستم میں اسسٹنٹ کمشنر موجود تھا وہاں تک چھاپے پڑتے رہے۔ نواں قلعہ میں انگریزوں کے فوجی کیمپ پر شبخون مارا گیا۔ مانسہرہ تک (جو انگریزی علاقے میں شامل تھا) مجاہدین کا عمل دخل موجود تھا۔ اس طرح انگریزوں کی حالت خاصی نازک ہورہی تھی۔

بالآخر انگریزوں نے مجاہدین کی فوجی قوت کو بالکل ختم کر دینے کے خیال سے بڑی تعداد میں لشکر کشی کا فیصلہ کر لیا۔ ١٨٨٨ء میں میجر جنرل مکوین کی سرکردگی میں ہزارہ فیلڈ فورس کے نام سے ایک بڑا لشکر ترتیب دیا گیا۔ اس کی تعداد ١٢ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس کے علاوہ خیبر رائفل جس کی قیادت میجر محمد اسلم خان کے سپرد تھی اور جس کی تعداد ٢٠٠ تھی اس لشکر کے ہمراہ تھی۔ مہاراجہ کشمیر نے بھی دو پیادہ رجمنٹیں اور دو توپیں اس موقع پر بھجوا دی تھیں۔ لشکر چار کالموں میں منقسم تھا۔ اس لشکر نے اس علاقے میں جو کچھ کیا اس کی تفصیلات بعد میں آئیں گی۔ سرحد کی تمام جنگوں میں امبیلا کی جنگ کے علاوہ شاید ہی کہیں اتنی بڑی تعداد میں برطانوی سپاہ میدان میں آئی ہو۔ اس سے مجاہدین کی قوت اور ان کی سرگرمیوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے انگریزوں کے دل میں کتنی دہشت بٹھا رکھی تھی کہ ایک میجر جنرل

کی قیادت میں تقریباً ایک ڈویژن فوج بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس دور میں انگریز سپاہ کی تعداد کے پیش نظر یہ خاصا اہم اقدام تھا اور اتنی بڑی فوج کے باوجود کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہ نکل سکا تھا۔ مجاہدین کے مراکز انگریزوں کے قبضے میں نہیں آسکے تھے اور ان کی سرگرمیاں حسب معمول جاری تھیں۔

جغرافیائی پس منظر

ایبٹ آباد سے مانسہرہ جاتے ہوئے پہاڑوں کے ایک طویل سلسلے کے پیچھے سے کوہستان سیاہ جسے مقامی زبان میں کالا ڈھاکا کہتے ہیں جھانکتا ہوا نظر آتا ہے۔ تربیلا ڈیم سے کچھ اوپر دریائے سندھ کے بالائی حصے کی طرف بڑھیں تو دریا کے دائیں کنارے پر کوہستان سیاہ کی چوٹیاں دور تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ پہاڑ جس کا کچھ حصہ آج تک علاقہ غیر سمجھا جاتا ہے اس کی بلند چوٹیاں موسم گرما کے آغاز تک برف سے لدی ہوتی ہیں۔ اس کے شمال میں گلگت ایجنسی میں تنگیر کا علاقہ ہے۔ شمال مشرق میں چلاس، مغرب میں سوات کا بالائی علاقہ اور جنوب، جنوب مشرق اور مشرق میں ضلع ہزارہ واقع ہے۔ اس پورے علاقے میں پہاڑوں کی اونچائی ۱۰ ہزار سے لے کر ۱۵ ہزار تک ہے۔ مشرقی حصے میں پھیلے ہوئے اہم درے اور چوٹیاں حسب ذیل ہیں۔

چوٹیاں		درے	
باس	۱۵،۵۱۲ فٹ	بوتاغ درہ	۱۳،۸۰۰ فٹ
دھومدمہ	۱۵،۷۶۳ ,,	چاچرگاہ گلی	۱۳،۴۰۰ ,,
ملکی	۱۲،۴۶۹ ,,	سپت گلی	۱۳،۴۰۰ ,,
بھسنٹی	۹،۵۵۱ ,,	ملک سیری	۱۴،۰۰۰ ,,
چٹابٹ	۸،۷۶۰ ,,	مرزا گلی	۱۱،۷۷۵ ,,
		جل پاس	۵،۶۵۰ ,,

اس تمام علاقے کی لمبائی اور چوڑائی جو مجاهدین کی زد میں تھی ۸۰ میل اور ۸۰ میل کے لگ بھگ ہے۔ اس طرح یہ علاقہ اندازاً ٦۸۰۰ مربع میل ہوگا۔ ہم کوهستان سیاہ اور اس کے تمام متعلقہ علاقوں کے بارے میں جہاں کہ مجاهدین کا عمل دخل رہا ہے یہاں ذکر کریں گے۔

مشرقی سلسلۂ کوہ جو چٹابٹ سے لے کر دریائے سندھ پر کیرا کے مقام تک چلا جاتا ہے کوهستان سیاہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی عام اونچائی ٦۰۰۰ فٹ سے لے کر ۹۰۰۰ فٹ تک ہے۔ کہیں کہیں بہت گہرے درے پائے جاتے ہیں۔ اس کی مختلف شاخیں دونوں جانب پھیلی ہوئی ہیں اور ان کے درمیان بہت گہرے ندی نالے بھی موجود ہیں۔ پہاڑ کی ڈھلوانوں پر خاردار جھاڑیاں اور گھاس ہوتی ہے۔ مغربی ڈھلوانیں خاصی دشوار گزار ہیں۔ خچروں کا راستہ کہیں کہیں بنا ہوا ہے۔ مشرقی "سلسلۂ کوہ سے چار شاخیں پھوٹتی ہیں۔ پہلی شاخ دھوبدسہ چوٹی سے مغرب کی جانب سے دریائے سندھ کے پاس چوڑو درہ کے مقام سے نکلتی ہے۔ اس کی عام اونچائی ۱٦ ہزار فٹ ہے اور اسے سلسلہ کنڈو کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دوسری شاخ سونی درہ سے آذری اور اندراک کے درون تک شمال مغربی سمت میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہی شاخ بعد میں دریائے سندھ تک بڑھی ہوئی ہے اور علاقہ آلائی کی شمالی سرحد پر واقع ہے۔ تیسری شاخ ملکی چوٹی سے مغرب کی طرف دریائے سندھ پر تھاکوٹ کے مقام تک پھیلی ہوئی ہے اس کی اوسط اونچائی ۱۰ ہزار فٹ ہے۔ یہ الائی اور نندھیاڑ کے درمیان واقع ہے اور اسے چیلہ پہاڑ کا نام دیا جاتا ہے۔ چوتھی شاخ چٹابٹ سے دریائے سندھ کے شمال کی طرف تھاکوٹ اور دریائے جل سے مغرب کی سمت واقع ہے۔ اس کی عام بلندی ۹ ہزار فٹ ہے۔

دریائے سندھ کا علاقہ

جالکوٹ وادی جو جالکوٹ نالے سے سیراب ہوتی ہے۔

پالاس وادی جو نیلا دریا سے سیراب ہوتی ہے۔

الائی وادی جو سرن دریا اور تھاکوٹ دریا سے سیراب ہوتی ہے۔

جالکوٹ نالے کا منبع بوتاغ درے کے پاس ہے۔ بائیں کنارے سے دودوباج اور گیتی والا نالے اس کے ساتھ مل جاتے ہیں اس کے علاوہ سپت نالہ بھی اسی میں آن گرتا ہے۔

جالکوٹ وادی ۲۰ میل لمبی اور ۳ میل چوڑی ہے اور جالکوٹ کے مقام پر دریائے سندھ سے ملحق واقع ہے۔ جالکوٹ ایک چھوٹا قصبہ تھا(۱)جس میں ۷۰۰ گھر تھے۔ وادی کے بالائی حصے میں اچھی چراگاہیں تھیں اور نچلے حصے میں چاول کی کاشت ہوتی تھی۔ آج بھی یہ علاقہ چاول کے لئے مشہور ہے۔

کنڈو پہاڑ وادیٔ پالاس کو جالکوٹ سے الگ کرتا ہے۔ یہ وادی ۲۵ میل لمبی اور ۶ میل چوڑی ہے اسے نیلا دریا سیراب کرتا ہے۔ وادیٔ پالاس میں اس وقت یہ قصبے اہم ہیں۔ پالاس، شرید اور کولائی۔ پالاس اور جالکوٹ کے درمیانی علاقے میں کاشت نہیں ہوتی۔

الائی کی وادی ۱۸ میل لمبی اور دس میل چوڑی ہے اور اندراک پہاڑ اسے وادیٔ پالاس سے الگ کرتا ہے۔ اسے دریائے سرن جو آذری درے کے پاس سے نکلتا ہے سیراب کرتا ہے۔ اس وادی کے بالائی حصے میں گھاس اور جنگل ہیں اور تنگ ندیاں نالے جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ اس وادی کا نچلا حصہ جو دریائے سندھ کے قریب ہے نسبتاً ہموار ہے اور یہاں چاول وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ اس وادی میں تقریباً تیس (۱) گاؤں ہیں جن میں سے پوکل اور بانڈہ اس وقت زیادہ مشہور تھے۔ الائی کے جنوب میں نندھیاڑ، ٹکری

---

۱ یہ اعداد و شمار ۱۸۸۵ء کے ہیں اس وقت کئی دیہات مکمل طور پر اجاڑ دیئے گئے تھے اور کئی دیہات آجکل پہلے سے زیادہ آباد ہیں۔ بہر حال ان اعداد و شمار سے مجاہدین کی کارروائیوں کا دور سامنے آجاتا ہے۔

دیشی اور پریاری کے علاقے ہیں جن میں یہ دیہات زیادہ مشہور ہیں۔ میدان نندھیاڑ میں، چرمنگ اور ترند ٹکری میں اور تھاکوٹ دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر۔ تھاکوٹ آج بھی اس علاقے کا اہم گاؤں ہے۔ اس کے پاس ہی ایک خوبصورت ریسٹ ہاؤس بھی ہے اور یہ بٹا گرام سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ہے۔ بٹاگرام جسے پہلے بٹاگراؤں کہا جاتا تھا اس وقت تحصیل ہیڈ کوارٹر ہے اور اس وجہ سے اس علاقے کا مرکزی قصبہ بن گیا ہے۔

دریائے سندھ کے پار کا علاقہ

وادیٔ کنڈیا، گلگت ایجنسی میں تانگیر سے نیچے واقع ہے۔ اس کی لمبائی دریائے سندھ سے ستیلتان درے تک ۳۰ میل ہے۔ اس وادی کا بڑا گاؤں کارنگ ہے۔ باگرو درہ میں خاصے جنگل ہیں۔ کوتگلہ سے دس بارہ میل نیچے رازیکا دریا سیو کے قصبے کے پاس دریائے سندھ میں جا ملتا ہے۔ پالاس کے بالمقابل پتن گاؤں کے قریب دریائے سندھ میں کئی چھوٹی چھوٹی ندیاں آن گرتی ہیں۔ پتن سے بارہ میل نیچے دبیر درہ ہے۔ دبیر چھوٹا گاؤں ہے اور یہاں انجینئرز کا ایک خوبصورت ریسٹ ہاؤس بھی موجود ہے۔ یہاں دبیر نالہ شور مچاتا اور جھاگ اڑاتا ہوا ریسٹ ہاؤس کے پاس سے گذرتا ہے وادیٔ سوات سے نکلا ہوا یہ نالہ انتہائی خوبصورت ہے۔ یہاں سے ۱۰ میل نیچے دریائے سندھ میں ایک اور ندی آن ملتی ہے جو کانا اور گوربند وادیوں کو سیراب کرتی ہے۔ یہ وادیاں خاصی زرخیز اور آباد ہیں۔ گوربند کوتکائی اور الانائی بڑے دیہات ہیں، کانا وادی میں بلکا نائی اور کاروائی دیہات واقع ہیں۔ یہاں سے ۲۴ میل اور نیچے، تھاکوٹ سے ٦ میل نیچے دریائے چکیسر دریائے سندھ میں جا گرتا ہے۔ یہاں سے چھ سات میل کے فاصلے پر ایک کھلے میدان میں چکیسر کے چھوٹے چھوٹے دیہات واقع ہیں۔ اتائی درہ نامی دریا گوربند درے کے پاس سے نکلتا ہے اور کابل گرام سے ایک میل جنوب میں دریائے سندھ میں جا ملتا ہے۔

دریائے سندھ

دریائے سندھ جسے مقامی زبان میں اباسین کہا جاتا ہے اس علاقے کا سب سے بڑا دریا ہے۔ دربند سے اوپر تھاکوٹ تک اس کی عام چوڑائی ۱۵۰ سے ۲۰۰ گز تک ہے۔ دریا کا بہاؤ کئی جگہ پر بے حد تیز ہے۔ پھر بھی اس علاقے میں یہ دریا کشتیوں کی مدد سے عبور کیا جا سکتا ہے۔ اتائی درے سے کچھ نیچے دریا کی چوڑائی صرف چالیس گز رہ جاتی ہے۔ تھاکوٹ سے شمال کی جانب دریا کا پاٹ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے حتی کہ جالکوٹ اور سیو کے نزدیک یہ ۵۰۰ گز ہو جاتا ہے۔

مختلف قبائل

اس تمام علاقے میں جہاں مجاہدین نے اپنی کاروائیاں کیں تین مختلف نسلوں کے لوگ آباد ہیں جو اپنی اپنی جگہ مختلف چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں منقسم ہیں۔ چونکہ اس دور میں قبائل دراصل ایک تنظیمی اکائی یا یونٹ کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے اس دور میں پیش آمدہ مختلف واقعات کو سمجھنے کے لئے ان قبائل کے بارے میں جانتا ضروری ہے۔ یہ قبیلے تین نسل کے لوگوں کی صورت میں منقسم تھے اور ان علاقوں میں آباد تھے۔

(۱) کوہستان (۲) الائی بشمول سواتی قبائل (۳) کوہستان سیاہ اور اس سے ملحقہ بالائے سندھ علاقہ۔

کوہستان

کوہستانی نسل کے اعتبار سے چلاسیوں سے زیادہ قریب ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ نسلی اعتبار سے عرب ہیں۔ ایک دوسرے بیان کے مطابق وہ ایک کشمیری دھرم کی اولاد ہیں جسے آج سے تین صدی قبل اسلام لانے پر ڈوگروں نے نکال دیا تھا۔ انہیں دھرم خیل بھی کہا جاتا ہے۔ طاقتور اور

بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں خاصا اتحاد پایا جاتا ہے۔ یہ بڑے مہمان نواز ہیں اور ہمسایوں کے ساتھ امن پسند ہیں۔ پٹھانوں کے ساتھ ان کے رشتے ناتے ہوتے ہیں۔ ان میں لڑنے والوں کی کل تعداد ۴ ہزار تھی۔

الائی

الائی وال نسلی اعتبار سے سواتی ہیں۔ اور ان کا اصل علاقہ دریائے سندھ کا دایاں کنارہ تھا۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں یوسف زئیوں نے جو سوات میں آباد تھے انہیں دریائے سندھ کے پار دھکیل دیا اور سید جلال خان کی رہنمائی میں انہوں نے اس علاقے سے جہاں وہ آج آباد ہیں ترکوں کو نکال دیا۔ (یہ ترک جنہیں کورلوکی ہزارہ بھی کہتے ہیں چودھویں صدی کے آخر میں تیمور کے ساتھ ہندوستان آئے تھے لیکن تیمور کی وسط ایشیا میں واپسی پر اس علاقے میں آباد ہو گئے تھے۔ اس بات کی سند ہمیں توزک جہانگیری سے ملتی ہے)۔ ان کی زبان پشتو ہے اور ان کے قبائلی رواج بھی پٹھانوں جیسے ہیں۔ بھوگڑ منگ اور نندھیاڑ کے سواتیوں کے ساتھ ان کی رشتہ داریاں ہیں۔

آزاد سواتیوں کے بڑے بڑے علاقے یہ ہیں الائی، نندھیاڑ، ٹکری، دیشی اور تھاکوٹ۔ اس دور میں یہ آپس میں مل کر ۱۲ ہزار مجاہد میدان میں لا سکتے تھے۔